حکیم سنائی

متر جم

(جناب انعام اللہ خاں صاحب ناصر)

(ایڈیٹر روزنامہ الجمعیتہ دہلی)

لیکن سنائی یزید اور یزیدیوں کے متعلق بھی اچھی رائے نہیں رکھتے تھے حدیقہ میں ان کا ذکر نیکی سے نہیں کیا۔ امام حسینؓ کے قتل کی بناء پر انھیں ملامت کی اور ان کے اس فعل کو برا کہا۔

پیری اور مریدی تصوف کا ایک رکن ہے صوفیا کے نزدیک مرید کو چاہیے کہ پیر کی اس حد تک پیروی کرے کہ اپنے کو اس کے اجزا میں سے ایک جز جیسا کہ بیٹے باپ کو سمجھتے ہیں سمجھے اور پیر چاہیے کہ مسلمانی کے تمام اوصاف سے متصف اور اخلاقِ الٰہی سے متخلق ہو حقیقی تصوف عبادت ہے خلق اللہ کو فائدہ پہنچانے سے اور اللہ کے امر کی تعظیم بجالانے سے سعدی فرماتے ہیں

بزرگی بجز خدمتِ خلق نیست — بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

اسلام کے جلیل القدر عارف حضرت جنیدؒ بغدادی فرماتے ہیں. ہمارے نزدیک تصوف قیل و قال کا نام نہیں بلکہ عبارت ہے دنیا کو چھوڑنے اور مالوفات کے ترک کر دینے سے ابو محمد حریری نے کہا ہے کہ تصوف عبارت ہے اچھے اخلاق اختیار کرنے اور بری عادتیں چھوڑ دینے سے۔

سنائی پیر کے انتخاب اور اوصاف کے متعلق فرماتے ہیں

راہ تجرید را ز غول مپرس — خبر از پیر بوالفضول مپرس

ترک اور تجرید کے نکات غول سے نہ پوچھ۔ پیر بوالفضول راز کی بات کیا جانے

مرہم ریش چوں کند افعی — دارو ئے درد چوں دہد اعمیٰ

سانپ زخم پر مرہم کس طرح رکھ سکتا ہے۔ اور اندھا درد کی دوا کس طرح دے سکتا ہے

پیر باید کہ راہبر باشد سالک وحبیت و باخبر باشد

پیر ایسا چاہیئے جو راہ دکھائے۔ سالک حبیت اور باخبر ہو

از تہ دل بود بحق یک رنگ صافی از زرق و حیلہ و نیرنگ

تہ دل سے حق کے ساتھ یک رنگ ہو۔ اور مکر و حیلہ و نیرنگ سے پاک ہو

حکیم سنائی باتفاق جمہور مورخین شیخ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور شیخ صاحب علماء مشاہیر و مشایخ کبار اسلام سے ہیں۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ

شیخ لڑکپن میں ۴۶۰ھ کے قریب بغداد میں آئے اور شیخ ابو اسحق شیرازی کی خدمت میں پہنچ کر فقہ کی تحصیل شروع کی اور بعد میں اپنے زمانے کے ممتاز فاضل اجل ہوئے شیخ نے حدیث حسین محمد بن علی بن مہتدی باللہ و ابی الغنائم عبدالصمد بن علی بن مامون ابو جعفر محمد بن احمد سے سنی اور اکثر اس کو لکھ لیا اس کے بعد زہد اور ریاضت و مجاہدت نفس اور گوشہ گیری اختیار کی اور ۵۱۵ھ میں بغداد آئے اور وہاں مدرسہ نظامیہ میں حدیث کا درس دینے لگے۔

آپ کے وعظ اور درس نے باشندگان بغداد میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔

سمعانی کتاب الانساب میں لکھتا ہے کہ یوسف ان علمائے پرہیزگار میں سے تھے جن کی دانش اور عرفان میں برابری کی نسبت تھی۔

مرو میں ان کی خانقاہ کے اندر صوفیا اور دنیا سے قطع تعلق کرنے والے کثیر تعداد میں جمع ہو گئے تھے اور شیخ صاحب بچپن سے لے کر تا دم وفات راستبازی، نیکوکاری اور شرع کی پابندی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے اور ابو اسحاق شیرازی خورد سالی کے باوجود شیخ صاحب کو اپنے اکثر دوستوں پر ترجیح دیتے تھے شیخ صاحب پہلے بغداد سے مرو میں آئے اور مدت دراز تک وہاں رہے اس کے بعد ایک عرصہ تک ہرات میں قیام اختیار کیا اور پھر اپنے مخلصین کے اصرار پر دوبارہ مرو آئے اور وہاں سے پھر ہرات چلے گئے۔

اخیر عمر میں تیسری بار ہرات سے مرو جانا چاہتے تھے کہ بامین میں جو ہرات اور بغشور کے درمیان ایک موضع ہے وفات پائی ان کی نعش کو وہاں سے مرو پہنچا دیا گیا ان کا سال ولادت از روئے تخمین ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ ہے اور سال وفات بتحقیق ۵۳۵ھ ہے

بعض مورخین نے یہ بیان کیا ہے کہ طریقت میں سنائی کا اولین رہنما ایک بادہ خوار تھا۔ اس کے متعلق یہ عجیب وغریب روایت بیان کی ہے کہ غزنی میں ایک صاحب حال مجذوب رہتا تھا یہ شخص ہمیشہ ایک بھٹی کے اندر بیٹھتا اور شراب کی تلچھٹ جمع کرکے پی جاتا۔

ایک دن سنائی ایک قصیدہ لکھ کر سلطان غزنی کے دربار کی طرف جا رہے تھے۔ بعض مورخین نے اس بادشاہ کو بہرام شاہ بعض نے مسعود اور بعض نے ابراہیم سمجھا ہے) اور بادشاہ اس وقت ہندوستان جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔

سنائی ایک حمام کے قریب سے گذر رہے تھے مجذوب کی آواز سنی تو کھڑے ہو گئے" مجذوب ساقی سے کہہ رہا تھا کہ ایک پیالہ دے کہ بہرام شاہ نے ابھی غزنی کا انتظام نہیں کیا کہ دوسرے ملک کو فتح کرنے کی فکر میں ہے پھر کہا کہ اے ساقی پیالہ بھر دے کہ سنائی نہیں جانتا کہ اسے خدا نے دوسرے کام کے لئے پیدا کیا ہے اگر قیامت کے دن پوچھا گیا کہ ہمارے واسطے کیا لائے ہو تو کیا جواب دے گا"

بیان کرتے ہیں کہ یہ آواز سن کر سنائی کے باطن میں ایک شور پیدا ہوا اور اس نے بادشاہوں کے دربار کو چھوڑ کر تصوف کی راہ اختیار کی۔

یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ سنائی شیخ یوسف کی صحبت میں کہاں اور کس طرح پہنچے۔ البتہ دولت شاہ سمرقندی صرف اتنا لکھتا ہے کہ جب بہرام شاہ نے سنائی سے اپنی بہن کا عقد کرنا چاہا تو سنائی اس سے انکار کرکے بعزم حج روانہ ہو گئے اور خراسان کے ایک گاؤں میں جا کر شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

بہرحال جیسا کہ ہم نے پہلے کہا طریقت کے کوچے میں قدم رکھنے کے بعد سنائی کی زندگی بالکل ہی بدل گئی اور ان کے اشعار اور آثار میں اس کا اثر یہاں تک نمایاں ہے کہ ان کے وہ اشعار جو مرید ہونے سے پہلے کہے تھے ان اشعار سے بالکل مختلف ہیں جو مرید ہونے کے بعد کہے اس لئے کہ عشق نے پیشگاہ جلال اور منزل معرفت میں پہنچنے کے بعد اشک حسرت سے دھویا اور خون دل سے رنگین کیا۔

سنائی جو پہلے ایک نغز گو سخنور اور قادر الکلام شاعر تھے نئی زندگی میں داخل ہونے کے بعد معلم اخلاق اور مصلح اعظم بن گئے راہ عشق و معرفت میں اپنے کو گم کر دیا اور جس شخص کو دولت عشق سے

بے بہرہ دیکھا سنگ وخشت جانا۔

مردِ بے عشق را جمادِ شمر دل بے سوز را رمادِ شمر

مرد بے عشق پتھر ہے۔ اور دل بے سوز خاکستر

زندگانی عبارت از عشق است دل وجاں استعارت از عشق است

زندگانی کا مطلب ہے عشق۔ دل اور جان عشق کا استعارہ ہے

فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے لالچ کا دیو مجھے جلاتا رہتا تھا لیکن حلقۂ تصوف میں داخل ہونے کے بعد بادشاہ خورسندی نے نیک بختی کا جمال دکھایا

حسب حال آنکہ دیو آز مرا داشت یک چند در گداز مرا

شاہ خورسندیم جمال نمود جمع منع و طمع محال نمود

یہ فرق مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہوگا۔ پہلے ایک قصیدے میں لکھا تھا

جامۂ بخش مرا خاص خود از سر قدرے تا ز فر تر شود کار من اسال چو چنگ

مجھے اپنا لباس خاص عنایت فرما۔ تاکہ میرا کام امسال شان وشکوہ سے چنگ کی طرح بہتر ہو جائے

اور ایک قصیدے میں لکھا تھا

جز از تو بندہ بسے مدح گفت در غزنی شنید مدحش ہر کس و لے ندید سخاش

بندہ نے تیرے سوا بھی غزنی میں بہت لوگوں کی مدح کی ہے لوگوں نے مدح سنی لیکن کسی نے اظہار سخاوت نہ کیا

لیکن پھر اسی سنائی کی زبانی ہم یہ سنتے ہیں

باد رنگین است شعر و خاک رنگین است زر تو ز عشق این و آں چوں آب و آتش بے قرار

شعر ایک رنگین ہوا ہے اور زر ایک خاک رنگیں۔ اور تو اس کے اور اس کے عشق میں آب و آتش کی طرح بے قرار ہے

زین چنیں بادی و خاکی چوں سنائی برتر آئی تا چنو در شہرہا بے تاج باشی شہریار

تو اس رنگین ہوا اور رنگین خاک سے ملبند تر ہو جا تاکہ شہروں میں تاج کے بغیر فرماں روائی کرے

مختصر یہ کہ سنائی پر برقِ تجلی وعرفان اس قدر چمکی کہ ان کی ہستی کے خرمن کو جلا دیا اور انھیں عشق کی آگ

میں ڈال کر دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیا چنانچہ فرماتے ہیں

زبادہ بدہ ساقیا زُود دادم — کہ من خرمنِ خویش برباد دادم

اے ساقی شراب سے جلد میری مدد کر۔ کہ میں نے اپنا خرمن برباد کر دیا

بہ آتش فگندم ہمیں ہم آنجا — من ایں جا ز عشق اندر آتش فتادم

یہ خوف تھا کہ مجھے اس جہان میں جلائیں گے۔ میں نے یہیں عشق اختیار کیا اور آگ میں گر پڑا

بآں آتش آنجا مبادا بسوزم — از ایں آتش ایں جا رہائی مبادم

خدا نہ کرے کہ میں وہاں کی آگ میں جلوں۔ کاش مجھے اس آگ سے نکلنا نصیب نہ ہو

ز نیک و بد ایں و آں فارغم من — بر ایں نعمت ایزد زیادت کنادم

میں اس کے اور اُس کے نیک و بد سے فارغ ہوں۔ خدا میری اس نعمت کو زیادہ کرے

سنائی کو یہاں تک استغراق ہوا کہ جنت الماویٰ اور فردوس بریں کو اپنی ہمت بلند کے شایان نہیں سمجھتے تھے۔ عقل نامہ میں فرماتے ہیں

ملکا عاشقِ جمالِ تو ایم — منتظر بودۂ جلال تو ایم

اے بادشاہ ہم تیرے جمال کے عاشق اور جلال کے منتظر ہیں

ما نہ مردانِ باغ و بستانیم — ما نہ در بند آب حیوانیم

ہمیں باغ اور بستان کا شوق نہیں نہ آب حیات کی آرزو ہے

روضۂ سبز و آب را چہ کنیم — ما کباب و شراب را چہ کنیم

ہم شاداب باغ اور پانی کو کیا کریں۔ کباب اور شراب سے ہمیں کیا کام

ما بہ غیر از لقا نمی خواہیم — ما ز تو جز ترا نمی خواہیم

ہم تیرے جلوہ کے سوا کوئی تمنا نہیں رکھتے ہم تجھ سے تیرے سوا اور کچھ نہیں چاہتے

چند مان مکر شہد و شیر دہی — چند ماں غصہ و زحیر دہی

تو کب تک ہمیں شہد اور شیر کے دھوکے سے پھسلاتے گا اور کب تک غم و غصہ میں مبتلا رکھے گا

دُرِّ گوہر بہ تنگدستاں دہ جوئی بادہ بمی پرستاں دہ

یہ موتی تنگدستوں کو بخش۔ شراب کی نہر مے کشوں کو دے

سرِ مارا بتاج حاجت نیست تنِ مارا دواج حاجت نیست

ہمارے سر کو تاج کی حاجت نہیں۔ ہمارے بدن کو قبا کی ضرورت نہیں

ما بدیں قدر سر فرو ناریم ما بتو بیش ازیں طمع داریم

ہم اتنے کے لئے سر نہ جھکائیں گے۔ ہم تیری ذات کے ساتھ اس سے بیشتر امید رکھتے ہیں

سنائی کی شاعری میں عرفان کی تاثیر

سنائی کی زندگانی کو جس طرح تصوف نے یکایک تبدیل اور ان کی توجہ کو دوسری طرف مائل کر دیا اور ان کے دل میں ایک نیا شور اٹھایا۔ اسی طرح ان کے پایہ شاعری کو بھی ایک نئی بنیاد پر رکھا بلکہ بعد کو آنے والے شاعروں کے لئے شعر کی بنیاد ہی کو زیر و زبر کر دیا مولانا جلال الدین بلخی کے ہاتھ میں چراغ دیا اور شیخ عطار اور خواجہ حافظ اور سعدی کے رستے میں مشعل روشن کی۔ مخزن میں نظامی کی یاری کی۔ تحفہ میں خاقانی کو مدد دی۔ دبدبۂ خسروی کو بلند کیا اور سلسلۂ جامی کو مضبوط۔ اس تبدیلی سے پہلے سنائی کے اشعار میں جو بات نظر آتی ہے وہ بعد کے اشعار میں نظر نہیں آتی وہاں ایک بات ہے خاکی اور یہاں اک رمز ہے افلاکی۔ وہاں سے اہل فرش کی بو آتی ہے اور یہاں اہل عرش کی خوشبو مشامِ جان کو معطر بناتی ہے۔ خود فرماتے ہیں "کتابہائے خلق کہن شدہ بود" (یہاں کتابوں سے مراد ہیں شعراء کے دیوان) میں نے کلام تازہ اور لطیف پیش کیا معانی بسیار کو تھوڑے لفظوں میں اور بڑے سے بڑے مطالب کو چند جملوں میں سمو دیا۔ کلام میں ایک نیا اسلوب اور ادائے مطالب میں ایک نیا طریقہ اختراع کیا

خاطرم گفت مر مرا در سر کاے بفضلِ تو روزگار مقر

مجھ سے دل نے در پردہ کہا کہ۔ زمانہ تیرے فضل کا معترف ہے

زود پیش آر و خوب تازہ سخن کہ خلق شد کتاب ہائے کہن

جلد کلام تازہ سنا کہ پرانی کتابیں چاک ہو گئیں

تا بدیں عہد نامد اندر ذکر زانکہ در پردہ بود معنی بکر

اس زمانہ تک اس کا کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ اس وجہ سے کہ معنی تو پردہ میں مستور تھا

معنی کی صحت، الفاظ کی فصاحت، زبان کی سلاست۔ جملوں کی روانی اور مضمون آفرینی کی قدرت سے وہ اشعار پیدا کئے کہ جنہیں روح اور عقل کے ساتھ ملا دینا چاہئے فارسی زبان میں پہلی بار علم الٰہی کے مطالب توحید کے مسائل شعر کے قالب میں ڈھل کر آتے اور علم اخلاق اس تفصیل اور جوش کلام کے ساتھ نظم کا موضوع بنا۔ صوفیا کی مصطلحات مانند خانقاہ اور خرابات، پیری و مریدی، سماع و وجد، صحو و سکر، عشق اور گوشہ گیری، ظاہری تجمل سے منہ پھیر کر حقائق کو دیکھنا دنیا کو بے حقیقت سمجھنا اور عاشق حقیقت ہونا یہ باتیں شعر و شاعری میں داخل ہو گئیں۔

عقل نامہ میں فرماتے ہیں

به خرابات شو که یار آنجاست　　بادهٔ روشن و نگار آنجاست

میکدہ میں جا کہ دوست وہاں ہے۔ بادۂ روشن اور محبوب اس جگہ ہے۔

حج آزادگاں خرابات است　　جائے افتادگاں خرابات است

آزادوں کا حج مے خانہ میں بنا ہے۔ افتادوں کی جگہ مے خانہ ہے

خانقاه آشیانِ مرغ صفاست　　گلشنِ عیش و بوستانِ وفاست

خانقاہ مرغ صفا کا آشیاں ہے۔ عیش کا گلشن اور وفا کا بوستاں ہے

پھر عقل نامہ میں فرماتے ہیں

خفتہ گان را مرید نام منہ　　بر رُخِ مرغِ مردہ دام منہ

سوتے ہوؤں کو مرید نہ کہہ۔ مردہ مرغ پر جال نہ رکھ

سنائی کی پایۂ علم | سنائی اپنے عصر کے علمائے اجل میں سے تھے اور حکمت اور فلسفہ میں درجہ استادی رکھتے تھے علم کلام خوب جانتے تھے جیسا کہ حدیقہ سے معلوم ہوتا ہے تفسیر و قرآن اور اس علم کی اصطلاحات میں پورا مہارت رکھتے تھے۔ حدیقہ کے چند مقامات میں آیاتِ قرآن کی منظوم تفسیر کی ہے اخبار و احادیث نبوی بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ حدیقہ میں متعدد احادیثِ نبوی نقل کی ہیں اور ان کو منظوم کیا ہے۔ علوم ادب مانند صرف نحو اور عروض مطالعات و معلومات بھی وسیع رکھتے تھے اکثر اپنے اشعار میں ان علوم کی اصطلا

استعمال کر کے اچھی تلمیحات پیدا کی ہیں۔

شعرائے عرب کے دیوانوں کا مطالعہ بھی کیا تھا خود بھی عربی میں اشعار کہتے تھے اپنے اشعار میں قصائد سبعہ کا مکرر ذکر کیا ہے تاریخ قبل از اسلام کا مطالعہ بھی کیا تھا حدیقہ میں ایک مقام پر موت کی تعریف اور بے وفائی دنیا کی مذمت کرتے ہوئے قبل از اسلام کے نامور بہادروں اور بادشاہوں کا ذکر کرتے ہیں۔

زاں ملوکِ عجم کہ در تاریخ		بخردان راست موجبِ توبیخ

ان شاہانِ عجم کا حال جو تاریخ میں دانشمندوں کے لئے موجب عبرت ہے

زاں سخن ہائے ملک کیخسرو		رستم و زال و منیژہ و جم و زو

ملک کے خسرو کا تذکرہ اور رستم۔ زال۔ نریمان۔ جم اور زو کا حال

زاں خبرہائے آلِ ساسانی		راندنِ کام دل بہ آسانی

خاندان ساسانی کے واقعات اور دل کی مرادوں کو آسانی سے پورا کرنا

حکیم سنائی اپنے زمانے کے بڑے طبیب سمجھے جاتے تھے اور اس علم میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ حدیقہ میں ایک فصل جداگانہ طب کے متعلق لکھی ہے اور اس میں اول ان نیم حکیموں کی مذمت کی۔ ہے جو علم طب سے پوری واقفیت نہیں رکھتے اور علاج کر کے مخلوق کو آرام کی بجائے آزار پہنچاتے ہیں۔ طبابت کو زر اندوزی اور ذاتی اغراض کی پیش بُرد کا ذریعہ بناتے ہیں اسی فصل میں دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نیم حکیموں کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے بیماروں کو تندرستی عطا فرماتے اور سب کو اپنا فضل نصیب کرے۔

وائے آنکس کہ ہست حاجتمند		بہ چنیں قوم کور بے در و بند

اس شخص کے حال پر افسوس ہے جو ایسے مطلق اندھوں کا محتاج ہو

اے خداوند از ایں چنیں حکما		خلق را کن بفضلِ خویش رہا

اے خدا ایسے حکیموں سے خلق کو اپنے فضل سے رہائی دے

چوں جہاں شد ز فعلِ شاں ویراں		خلق را زیں بداں بجاں برہاں

دنیا ان کے افعال سے ویران ہو گئی خلق کو ان بدوں کے جنگل سے نجات دے

سنائی طبیب اس شخص کو سمجھتے ہیں کہ جس نے اصولِ طب کو پورے طور سے سیکھا ہو۔ ریاضیات و طبیعیات سے واقف ہو اور اس فن کے علمی اور عملی اسرار جانتا ہو۔

باز مردے کہ وے طبیب بود   در سخن صادق و ادیب بود

بہر وہ آدمی جو طبیب ہو۔ کلام میں صادق اور ادیب ہو

از ریاضی برد بدانش راہ   وز طبیعی بود بوجہ آگاہ

ریاضی میں دسترس رکھتا ہو۔ اور علوم طبیعی سے بخوبی آگاہ ہو

بیند احوالِ علت و امراض   داند اسبابِ جوہر و اعراض

علت اور امراض کا احوال دیکھے اور اسباب جوہر واعراض کو سمجھے

حدیقہ میں تقریباً ساٹھ اشعار کے اندر امراض کی تشریح کی ہے اس سے طب میں ان کی مہارت معلوم ہوتی ہے۔ سنائی علم نجوم میں بھی کافی معلومات رکھتے تھے اور اگرچہ اس علم کو محل اطمینان نہیں سمجھتے تھے اس کو بے ہودگی جانتے تھے اور آسماں پیمائی کو ایک لغو حرکت کہتے تھے

ہمہ در راہ حکم خود رانند   بسرِ من کہ ژاژ می خایند

یہ لوگ اپنی رائے سے حکم لگاتے ہیں میں قسم سے کہتا ہوں کہ یہ بکواس کرتے ہیں

غافل اند ایں منجماں از کار   نیست در کار شان دلِ بیدار

یہ منجم حقیقت سے غافل ہیں پیشگوئیوں میں ان کا دل بیدار نہیں

ہمہ باد است حکم باد انگار   تو ز احکام خیرہ دست بدار

منجم کا حکم ہوا کے سوا کچھ نہیں۔ تو ایسے تاریک احکام سے دست بردار ہو جا

سخن فال گر ندارد سود   باد پیمود کاسماں پیمود

اگر فال کی بات فائدہ مند نہ ہو تو جس نے آسمان کو ناپا ایک فعل عبث کیا

ان تمام باتوں کے باوجود حدیقہ میں اس فن کی اصطلاحات سے مفصل بحث کی ہے مثلاً صفت افلاک۔ صفت بروج سعادت و نحوست شرف و بال ہبوط و صعود و زادول تسویۃ اکثر قصائدِ مدحیہ میں اس علم کی

اصطلاحات لکھی ہیں، حکیم سنائی مذکورہ بالا علوم کے علاوہ تعبیرِ خواب کا فن بھی جانتے تھے حدیقہ میں اس موضوع پر سو اشعار لکھے ہیں اور طویل تشریحات کی ہیں۔

سفر سفر| دولت شاہ سمرقندی لکھتا ہے جب بہرام شاہ نے اپنی بہن کو سنائی سے رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنا چاہا سنائی نے اسے منظور نہ کیا اور حج کو روانہ ہو گئے۔ اثنائے راہ میں خراسان پہنچے اور وہاں ایک گاؤں میں جا کر شیخ یوسف ہمدانی کے مرید ہو گئے۔

صاحب تذکرہ ید بیضا نے لکھا ہے کہ سنائی سر و پا برہنہ حج کے لئے گئے اور وہاں سے واپس آکر غزنی میں عزلت اختیار کی۔ لطف علی بیگ آذر آتش کدہ میں لکھتا ہے کہ سنائی حرمین شریفین کے سفر خیر اثر کے لئے روانہ ہوئے اور واپس آنے کے بعد شیخ یوسف ہمدان کے پاس پہنچ کر ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے بہر حال یہ بات مسلم ہے کہ سنائی نے فریضۂ حج ادا کیا اور اس سفر میں مرو و نیشاپور اور ہمدان بھی گئے اور بغداد پہنچ کر حضرت امام اعظمؒ کے مزار کی زیارت کی اور انطاکیہ و حلوان کی سیر کر کے واپس آئے۔

اس لئے کہ انھوں نے خود ایک قصیدے میں تمام واقعات اور راہ میں پیش آمدہ مشکلات تفصیلاً بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ بضرورت کبھی نالائقوں کا بار خاطر بننا پڑتا تھا اور کبھی نادانوں کی صحبت میں رہنا پڑتا تھا

سفر مرو| دولت شاہ سمرقندی لکھتا ہے کہ غزنی سے چل کر خراسان پہنچے اور وہاں سے مرو پہنچ کر شیخ یوسف کے مریدوں میں شامل ہو گئے پھر غزنی واپس آئے اور حکیم کے اشعار سے بھی سفر مرو کی تائید ہوتی ہے

سر اسپِ ارسلاں دیدی برفعت رفتہ بر گردوں ۔۔۔ بمرو آنا کنوں در گل تن اسپ ارسلاں بینی

تو نے اسپ ارسلان کا بلندی میں ہمسر آسمان دیکھا تھا۔ اب مرو میں آکر اس کے بدن کو زیرِ خاک دیکھ

سفر سرخس| حکیم نے سرخس کا بھی سفر کیا تھا یہ سفر شوق کے نتیجے میں نہ تھا بلکہ ایک ظلم کی وجہ سے تھا جو قاضی اسعد مروی نے حکیم پر کیا تھا۔ قاضی صاحب کی انگیخت سے چند غنڈوں نے حکیم صاحب سے کپڑے چھین لئے تھے چنانچہ حکیم صاحب فرماتے ہیں۔

بر سرِ من گماشت رندے چند ۔۔۔ ہمچو او ناکس و ذمیم و شیم

مجھ پر چند اوباشوں کو مسلط کر دیا جو اسی کی مانند نالائق اور بدخصلت تھے

جامہ ہا بستد بزد و گفتند دم — نیز دستار کن بہ ایں سرخم

میرے کپڑے چھین لئے اور کہا کہ اپنی پگڑی بھی ہمارے سر پر رکھ دے

من ز بلخ آنچناں شدم بسرخس — با بلا و عناد و رنج و ہم

میں بلخ سے سرخس کو ایسی تکلیف اور اذیت غم سے گیا

کہ گنہ گار یونس ابن متی — بسوئے نینوا ز ساحل یم

جیسے گنہ گار یونس ابن متی۔ ساحل سمندر سے نینوا کی طرف

ہرات علی ابن ہیصم نے سنائی کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنائی نے ہرات میں بھی کچھ روز قیام کیا تھا۔ علی بن ہیصم کہتا ہے۔

ز انوارش امروز شہر ہرات — چو برج و قمر پر شعاع و ضیاست

اس کے انوار سے شہر ہرات برج قمر کی طرح روشن ہے۔

سفر بلخ معلوم ہوتا ہے کہ بزمانۂ جوانی سنائی مدت دراز تک بلخ میں مقیم رہے کارنامہ سے یہی ثابت ہوتا ہے دوران قیام ان کے والد بقید حیات تھے اور سلطان مسعود بن سلطان ابراہیم کا دور ختم نہیں ہوا تھا۔ حکیم صاحب کارنامہ بلخ میں مسعود کی تعریف کرتے ہیں اور اسے اپنے والد کے متعلق یاد دلاتے ہیں، کارنامہ بلخ حکیم صاحب نے بلخ میں تصنیف کی اس میں اپنے غزنوی دوستوں کو مخاطب کیا ہے غزنی سے بلخ کو جاتے ہوتے سنائی نے راہ میں سخت تکالیف اٹھائیں برف پوش پہاڑوں سے گزرنا پڑا سرد ہوا اور برف باری کی وجہ سے سفر میں بڑی مشکل پیش آئی چنانچہ وہ فرماتے ہیں

کوہ ہائے بریدہ ام بہ زحیر — کہ قرین بود تیغ شاں با تیر

میں نے ایسے پہاڑوں میں مسافت طے کی ہے جن کی چوٹیاں تیر کی طرح نوکدار تھیں

آنچہ آمد مرا در ایں رہ پیش — گبر در گور ازیں نہ بیند بیش

جو کچھ مجھے اس سفر میں پیش آیا وہ کسی کافر کو بھی قبر میں پیش نہ آئے گا۔

برف نزد بنات نعش چناں — کہ ز پنبہ کمان پنبہ زناں

بنات النعش (ستاروں کے جھرمٹ کا نام) کے قریب برف اس طرح نظر آتا تھا جس طرح روئی دھننے والوں کی کمان کے پاس روئی کے گالے

اشک من کردہ بود یاقوتی　　غم بے قوتی و بے قوتی

طاقت اور غذا کی قلت نے میرے آنسوؤں کو سرخ بنا دیا تھا

بلخ میں پہنچ کر حکیم صاحب کو اور مشکلوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اگر قاضی عبدالحمید بلخی مدد نہ کرتے تو کام ہی تمام ہو جاتا۔ کارنامہ میں فرماتے ہیں۔

تا بہ بلخ آمدم بہ عزہ و سلخ　　عیش من بود چوں مسعوت بلخ

دیو غربت مرا بہ بردی آب　　گر نبودے کف امیر شہاب

خواجہ عبدالحمید بلخی آں　　کہ خرد را دل است و دل را جاں[1]

بلخ میں آنے کے بعد ہمیشہ میرا عیش تلخ رہا۔ اگر امیر شہاب مدد نہ کرتا تو۔ دیو افلاس مجھے خوار کر دیتا خواجہ عبدالحمید بلخی خرد کا دل ہے اور دل کے لئے جہان کی حیثیت رکھتا ہے

بہرحال حکیم صاحب کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہ تمام سفر۔ حلقۂ صوفیا میں شامل ہونے سے پہلے کئے گئے تھے۔

حکیم صاحب عمر بھر پریشان اور پریشانی سے نالاں رہے لیکن طریقت میں قدم رکھنے کے بعد کبھی پریشانی کی شکایت نہیں کی۔

ایک جگہ پریشانی کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں

سفر نہ کردے از بہر بیشی و پیشی　　اگر بسندہ بدے در حضر بہ ما حضرم

اگر قیام میں میرے لئے ما حضر کافی ہوتا۔ تو میں زیادتی کی طلب کے تقاضے سے سفر نہ کرتا

اور طریق تحقیق میں فرماتے ہیں

بخدائے کہ پاک بے عیب است　　واہب العقل و عالم الغیب است

کہ مرا اندریں سرائے ہوس　　جز ہنر نیست یار و مونس کس

با ہنر کاشش دولتم بودے　　تا غم و غصہ ام نہ فرسودے

---

[1] ممکن ہے کہ یہ قاضی عبدالحمید وہی حمید الدین بلخی ہوں جو اس عہد میں ایک ممتاز عالم تھے۔

منصب آنرا بود کہ شور انگیخت نان کسے خورد کا بروئے بریخت

اس خدا کی قسم جو پاک اور بے عیب ہے اور عقل کا بخشنے والا اور غیب کا جاننے والا ہے اس سرائے ہوس میں ہنر کے سوا میرا مونس اور دوست کوئی نہیں کاش ہنر کے ساتھ میرے پاس دولت بھی ہوتی۔ تاکہ غم وغصہ مجھے تکلیف نہ دیتا۔ منصب اس کو ملتا ہے جو شور مچاتا ہے۔ روٹی وہ کھاتا ہے جو دوسروں کو ذلیل کرتا ہے

سنائی کے عہد میں غزنی کی حالت | غزنی آل سبکتگین کے دورۂ سلطنت میں عروسِ مشرق تھا۔ اور ایشیا کے خوبصورت اور آباد ترین شہروں میں سمجھا جاتا تھا اعلیٰ حضرت یمین الدولہ اور ان کے فرزند مسعود کے عہد میں غزنی کے اندر جو تعمیرات پایۂ تکمیل کو پہنچی ان کی شان وعظمت اور دولت وثروت حد بیان سے باہر ہے محمود کے دربار کا شکوہ اور مسعود کے دربار کا تجمل مشرق میں کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوا، یمینی دربارِ محمود کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہے "مہمانوں کو محلِ ضیافت میں لے گئے جو ایک بہشت تھا، جو صفوں اور طلائی اور نقرئی تھالیوں سے آراستہ ہر طرف مرصع ظروف رکھے ہوئے صحن کشادہ اور ہر ایک چیز نفیس وپاکیزہ .... رومی خطائی اور ریشمین فرش بچھے ہوئے۔ صدر مجلس میں ایک انگیٹھی رکھی ہوئی اور اس کے گرد مربع۔ مسدس۔ مثمن اور منور خانوں میں انواع واقسام کے جواہر بھرے ہوئے۔ ان جواہرات کا عکس دیکھنے والوں کی آنکھوں میں خیرگی پیدا کرتا تھا۔ اور سب اس بات پر متفق تھے کہ اکاسرۂ عجم۔ قیاصرۂ روم۔ مقبلانِ عرب۔ فرمانروایانِ یمن۔ اور رایانِ ہند کو ایسے جواہر بے بہا نصیب نہیں ہوئے۔

مجلس کے گرد مشک اذفر۔ عنبر اشہب۔ کافور ریاحی اور عود خاری سے بھرے ہوئے زرین طاس رکھے تھے اور بعض کاسوں میں سونے سے بنے ہوئے انواع واقسام کے پھل اور لعل بدخشاں سے بنے ہوئے پھول سجائے گئے تھے۔[1]

مسعود شہید پسر یمین الدولہ کے واسطے جو تخت بنایا گیا تھا بیہقی نے اسے بچشم خود دیکھا تھا۔[2]

---

[1] نسخۂ خطی کے صفحہ ۳۴۴ تاریخ یمینی [2] ص ۵۵۰ و ۵۵۱ تاریخ بیہقی طبع طہران۔

لکھتے ہیں یہ تخت تین سال کی مدت میں مکمل ہوا تھا جو شخص اس تخت کو دیکھتا تھا بہر اور کوئی چیز اس کی نظر پر نہیں چڑھتی تھی یہ تخت سراسر زر خالص سے تیار کیا گیا تھا اس کے اطراف میں صورتیں شاخہائے نبات کی مانند بنی ہوئی تھیں اور جواہر بیش بہا جڑے ہوئے تھے ...... تخت پر دیبائے رومی بچھی ہوئی اور چار باش زریں تاروں سے بنی ہوئی چھت سے۔ تخت کے اوپر ایک طلائی زنجیر لٹکی ہوئی تھی اور تاج اس میں آویزاں، تخت کے گرد چار دیو پیکر روئیں مجسمے ستونوں کے سہارے نصب تھے اور ان کے ہاتھ اس طور سے بنائے گئے تھے کہ گویا تاج کی حفاظت کر رہے ہیں۔

سلطان کے سر پر تاج کا بار نہ تھا اس لئے کہ تاج کو زنجیروں اور ستون سے مضبوطی کے ساتھ آویزاں کیا گیا تھا اس کے اندر ٹوپی بھی تھی محلس میں۔ ۲۰۸ طلائی کشتیوں کے اندر کافور۔ مشک۔ عود۔ عنبر اور دیگر اقسام کی خوشبودار چیزیں رکھی ہوئی تھیں، اور تخت کے سامنے ۱۵ بارے یاقوت رمانی۔ لعل بدخشانی زمرد مروارید اور فیروزے کے رکھے ہوئے تھے۔

اس عہد میں غزنی کی مشہور عمارات میں سے باغ فیروزی بھی تھا اور اس کو شہر کی خوش منظر اور دلکش تفریح گاہوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اعلیٰ حضرت یمین الدولہ محمود اس باغ کی فضا اور ہوا کو بہت پسند کرتے تھے اور اسی بنا پر وصیت کی تھی کہ بعد وفات میرے جسد عنصری کو باغ فیروزی میں سپرد خاک کیا جائے چنانچہ انھیں وصیت کے مطابق اسی باغ میں دفن کیا گیا دربار محمود کے مشہور شاعر فرخی سیستانی نے اس باغ کی تعریف میں ایک شاندار قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع ہے۔

بفرخندہ فال و بفرخندہ اختر بہ نو باغ بنشست شاہ مظفر

امین احمد رازی مؤلف ہفت اقلیم نو باغ کے متعلق لکھتا ہے سلطان نے پہاڑ کے دامن میں ایک عالی شان قصر موسوم بہ نو باغ تعمیر کیا تھا اس قصر میں دلکش مکانات اور خوش منظر اور فرح فزا باغ موجود تھے اس باغ کی نہروں اور طرب خیز آبشاروں میں پانی بالا نے کوہ سے آتا تھا۔

غزنی کا دوسرا تاریخی مقام میدان افغان کہلاتا ہے کہ بقول بیہقی سلطان محمود کے والد سبکتگین کی قبر یہیں تھی بعد میں اس مقام پر کوشک محمودی بنایا گیا۔ یہ میدان وہی جگہ ہے جہاں سبکتگین کی تربت اور غزنی کے

مینار واقع ہیں۔ بیہقی نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر افغان سلی کا ذکر کیا ہے۔ بابر نے بھی اپنے تزک میں افغان سلی کا ذکر کیا ہے اور اس کا ترجمہ افغان شعار کیا لیکن درحقیقت اس کلمہ افغان سلی (بنائے افغانی) کی اصل کا تلفظ ثائے مثلثہ عربی کے قریب ہے اور پشتو میں اس کے معنی ہیں منار یادگار۔

چونکہ یہاں سبکتگین رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ واقع تھا اس لئے اس کو یادگار افغان کہتے تھے غزنی کی دوسری منار بھی اسی میدان میں واقع ہیں۔

غزنی کی دوسری عظیم الشان عمارتوں میں سے کوشک مسعودی تھا۔ بیہقی لکھتا ہے کہ جب مسعود بن سلطان محمود غزنوی بسلامت و سعادت دار الملک غزنی میں پہنچا تو کوشک کہنہ محمودی واقع افغان سلی میں فروکش ہوا۔ اس اثنا میں کوشک مسعودی تعمیر ہو چکا تھا سلطان صبح کے وقت نئے محل میں گیا اور گھوم کر ہر ایک مقام کو دیکھا۔ وزیروں۔ وکیلوں۔ غلاموں اور کارداروں کے لئے جدا جدا مکانات نامزد کئے اس کے بعد کوشک کہنہ محمودی میں واپس آیا۔

سلطان کے واپس جانے کے فوراً بعد مامورین اپنے اپنے مکانات کو درست کرنے میں مصروف ہو گئے۔ فراش فرش بچھانے اور پردے آویزاں کرنے لگے۔ ایسا محل دنیا میں کسی جگہ موجود نہیں۔ اور کسی بادشاہ نے ایسی پُرشکوہ عمارت نہیں بنائی۔ سلطان نے اس محل کا نقشہ اپنے دستِ مبارک سے بنایا تھا۔ اور علم ہندسہ میں انھیں یدطولا حاصل تھا۔ یہ محل چار سال میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ سلطان بے اندازہ خیرات کرتا تھا۔ اور لوگ گروہ در گروہ اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے لئے غزنی آتے تھے۔ عبد الملک نقاش اور مہندس سے میں نے سنا کہ ایک روز سرہنگ بوعلی کوتوال سے کہتا تھا کہ سات ہزار درہم خیرات ہو چکے ہیں بوعلی نے کہا مجھے معلوم ہے کہ اس سے دو چند محتاج موجود ہیں۔ ابن اثیر نے بہرام شاہ کی مدد کے لئے غزنی میں سنجر کے وارد ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ باغات محمودی کے اندر چشموں کے دہانے چاندی کے بنے ہوئے تھے سنجر کے سپاہی انھیں غارت کر رہے تھے۔ سنجر نے انھیں روکا۔

غزنی کی دوسری عالیشان عمارت میں سے مسجد جامع تھی۔ سلطان نے غزوۂ قنوج و کشمیر سے واپس آکر اس مسجد کی تعمیر شروع کی تھی۔ بیہقی لکھتا ہے کہ سلطان نے عازم ہند ہونے سے پہلے حکم دیا تھا

کہ مسجد جامع کے واسطے ایک میدان ہموار کیا جائے اس لئے کہ جامع مسجد قدیم زمانہ سابق کی ضرورتوں کے مطابق تھی۔ اس زمانے کے لوگوں کو کفایت نہیں کرتی تھی۔

جب سلطان غزوہ سے واپس آئے تو میدان ہموار ہو چکا تھا۔ بنیادیں رکھی جا چکی تھیں اور دیواریں بن چکی تھیں، سلطان نے حکم دیا کہ اس عمارت کی تکمیل کے لئے جتنا روپیہ ضروری ہو خرچ کیا جائے۔

استاذان ماہر اور عملہ جابک مرتب کیا گیا اور ثقات حضرت فہرمانی سے ایک ماہر معمار عملہ تعمیر پر مقرر کیا گیا۔ صبح سے شام تک ان کے کام کی نگرانی کرتا اور شام کے وقت ترازو آگے رکھ کر سب کو اجرت دیدیتا مسجد کے لئے سنگ مرمر دور دور دست مقامات سے فراہم کیا گیا اور اس کو مربع اور مسدس شکلوں میں تراشا گیا اور مسجد کے طاق ایسے لطیف و زیبا بنائے گئے کہ آنکھ نظارے کے وقت خیرہ ہوتی تھی ان کو مختلف رنگوں اور عجیب شکلوں سے آراستہ کیا گیا اور ان طاقوں پر آبِ زر سے نقش و نگار کئے گئے۔ سلطان نے ایک مکان اپنے لئے برائے عبادت تعمیر کرایا اس کی تعمیر میں کمالِ دقت نظر اور نزاکتِ فن سے کام لیا گیا۔ عبادت خانے کا تمام فرش سنگ رخام سے بنایا گیا اور اس کے ہر ایک مربعہ میں آبِ زر سے خط کھینچا گیا اور لاجورد سے حاشیہ بنایا گیا اس عبادت خانے کی رنگینی و زینت اس درجہ میں پہنچی کہ جو دیکھتا تصویرِ حیرت بن جاتا۔ لوگ کہتے کہ مسجد دمشق کو دیکھنے اور اس کی عدیم المثالی کا دعوی کرنے والو غزنی میں آؤ اور اس کی مسجد جامع کو دیکھو تاکہ تمہارے دعوے کی تردید ہو جائے اور اس کے سامنے ایک مقصورہ بنایا کہ اس میں تین ہزار غلام نماز با جماعت پڑھ سکتے تھے۔ اور لوگ ایک دوسرے کی مزاحمت کے بغیر اپنی جگہ عبادت میں مشغول رہتے تھے اس مسجد کے قریب ایک مدرسہ بنایا اس میں نفیس کتابیں اور نادر تصنیفیں جمع کیں یہ کتابیں علماء اور ائمہ فقہا کی تصحیح کی ہوئی اور نہایت اچھے خط میں لکھی ہوئی تھیں۔ یہاں طلباء تحصیل و ترتیل علم میں مشغول رہتے تھے۔